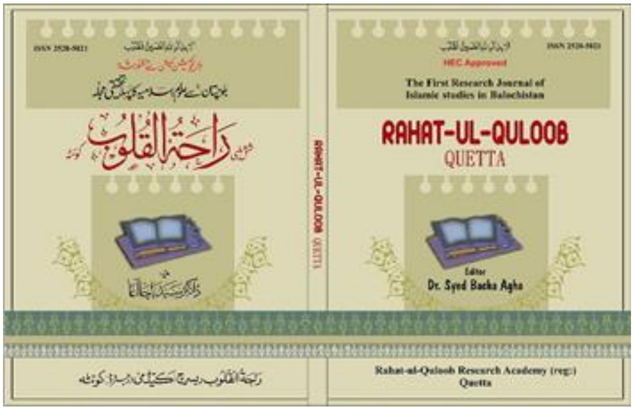

This work is licensed under a
Creative Commons Attribution
4.0 International License

RAHAT-UL-QULOOB
Bi-Annual, Trilingual (Arabic, English, Urdu) ISSN: (P) 2025-5021. (E) 2521-2869
Project of **RAHATULQULOOB RESEARCH ACADEMY,**
Jamiat road, Khiljiabad, near Pak-Turk School, link Spini road, Quetta, Pakistan.
Website: www.rahatulquloob.com
Approved by Higher Education Commission Pakistan
Indexing: » Australian Islamic Library, IRI (AIOU), Tahqeeqat, Asian Research Index, Crossref, Euro pub, MIAR, ISI, SIS.

TOPIC

نسل نو کا تحفظ سیرت النبی ﷺ کی روشنی میں

Protection of the Younger Generation in the Light of the Seerah of Prophet Muhammad ﷺ

AUTHOR

1. Dr. Mufti Syed Imran ul Haq, Assistant Professor, Department of Quran & Sunnah, University of Karachi, Pakistan.
2. Dr. Sana Jadoon, (Ph.D Islamic studies), Surprenant, Beuro of curriculum, Directorate of Education Quetta, Pakistan.
3. Muhammad Rafiq Agha, Lecturer, Cadet College, Kharan, Pakistan.

How to Cite: Dr. Mufti Syed Imram ul Haq, Dr. Sana Jadoon, & Muhammad Rafiq Agha. (2026). URDU نسل نو کا تحفظ سیرت النبی ﷺ کی روشنی میں: Protection of the Younger Generation in the Light of the Seerah of Prophet Muhammad ﷺ. *Rahat-Ul-Quloob*, *10*(1), 17-28. Retrieved from https://rahatulquloob.com/index.php/rahat/article/view/523

http://rahatulquloob.com/index.php/rahat/article/view/523
Vol. 10, No.1 || Jan–June 2026 || URDU-Page. 17-28
Published online: 30-01-2026

نسل نو کا تحفظ سیرت النبی ﷺ کی روشنی میں

Protection of the Younger Generation in the Light of the Seerah of Prophet Muhammad ﷺ

[1]مفتی سید عمران الحق [2]ثناء جدون [3]محمد رفیق اغا

ABSTRACT

The protection and development of the younger generation is a fundamental requirement for the stability and progress of any society. In the contemporary era, youth are increasingly exposed to moral decline, intellectual confusion, and social challenges. This study explores the principles for safeguarding the younger generation in the light of the Seerah (biography) of Prophet Muhammad. The Prophetic model emphasizes the sound formation of faith (ʿaqīdah), moral refinement, intellectual development, and practical training. The Prophet ﷺ paid special attention to nurturing young companions by instilling strong belief in monotheism, promoting exemplary character, and assigning them significant responsibilities to build confidence and leadership skills. Furthermore, the Seerah highlights the importance of protecting youth from harmful environments, encouraging righteous companionship, and strengthening family institutions as a foundation for ethical upbringing. It also stresses moderation, balance, and active participation of youth in constructive social and religious roles. The findings suggest that adopting the Prophetic approach in education and socialization can effectively address contemporary challenges faced by youth and contribute to the development of a morally upright, responsible, and resilient generation.

Keywords: Youth Protection, Moral Education, Character Building, Faith Development, Social Reform, Family System.

کسی بھی قوم کا معاشرہ بنانے یا بگاڑنے میں نسل نو کی تعلیم و تربیت بے حد مؤثر اور بہت بڑا ذریعہ ہے، نسل نو میں چند عادات کا بچپنے میں پایا جانا ضروری ہے: معاشرت، مسابقت، متابعت اور خوف ملامت وغیرہ۔

(1) معاشرت : یہ نسل نو کے ہمجولیوں کا ماحول ہے، بچہ ہمیشہ خواہش مند رہتا ہے کہ اس کے ماحول میں اسکی کوئی سبکی نہ ہو اور اسکا وزن اپنے ہم جنسوں میں بھاری رہے، اس لئے وہ ہمیشہ کچھ نہ کچھ کرتا رہتا ہے اور چاہتا ہے کہ میری حوصلہ افزائی کی جائے۔

(2) مسابقت: نسل نو کو شوق ہوتا ہے کہ وہ اپنے تمام دوستوں میں ہر قابل تعریف کام میں سب سے آگے رہوں، اس شوق میں وہ نئے نئے کام کرتا ہے، نئی تحقیقات کو پسند کرتا ہے، اپنے دوستوں سے زیادہ معلومات فراہم کرتا ہے، بکثرت سوالات کرنا بھی اسی وجہ سے ہوتا ہے۔

(3) متابعت: بڑوں کی نقل کرنا بچے کی مشہور عادت ہے، اسکو جذبۂ تقلید بھی کہتے ہیں۔ مدرس اور مربی کو اس طرح رہنا چاہئے کہ بچے کیلئے ان کی شخصیت ہر اعتبار سے عملی نمونہ اور قابل اتباع ہو۔ جن والدین اور اساتذہ میں اعتدال نہیں ہے وہ نفسیاتی امراض میں مبتلاء ہیں،

وہ اولاد اور طلبہ پر کوئی اچھا نقش ثبت نہیں کر پاتے، صرف ابویت اور ملازمت کی حد تک ان کی ذمہ داری اور روزی حلال ہو سکتی ہے، مگر نسل نو کی تعمیر و ترقی میں کوئی کردار ادا نہیں کر سکتے۔

(۴) خوفِ ملامت: کیفیت خوف ملامت۔ اگر ماحول کی وجہ سے بچہ بے شرم نہیں ہوا ہے تو بچہ کی کردار سازی میں خوف ملامت کا جذبہ بہت ہی اہمیت رکھتا ہے، بچے فطرۃً بڑوں کو راضی رکھنے اور خوشنودی کے خوگر ہوتے ہیں؛ اس لئے حوصلہ افزائی کر کے ان سے بڑے سے بڑا کام لینا آسان ہوتا ہے اور عموماً بڑے بچوں سے اسی طرح اپنی باتیں منوایا بھی کرتے ہیں، بچوں کو اپنے بزرگوں کی ناراضگی کا خوف ہمیشہ دامن گیر رہتا ہے۔ جس طرح بچے تعریف اور انعام کی خواہش میں اچھے کام کرتے ہیں، اسی طرح خوف ملامت سے وہ بری اور گندی خرافات سے باز رہتے ہیں۔ یہ اخلاقی قدریں بڑوں میں بھی پائی جاتی ہیں، مگر ان کو کام میں لانا کچھ آسان نہیں، بر خلاف کمسن بچوں کے جن کی عمر دس برس کے قریب قریب ہے، ان میں اقدار و طبعیات کے ذریعہ بہت بڑا اتربیتی انقلاب برپا کیا جا سکتا ہے۔

تخلیقی لحاظ سے انسان قدرت کا ایک مکمل شاہکار ہے اس میں سوچنے سمجھنے فیصلہ کرنے اور اپنے گرد و پیش سے تاثر حاصل کرنے کی صلاحیت موجود ہے۔ وہ اگر اچھے ماحول میں رہے، اچھی رہبری پائے تو وہ اچھے کردار کا مظاہرہ کرتا ہے، اگر وہ غلط تربیت پائے، اسے اچھی سرپرستی میسر نہ ہو، محبت نہ ملے، زندگی کے دوڑ میں بے سہارا چھوڑ دیا جائے تو وہ اپنے ناپختہ ذہن سے درست فیصلے نہیں کرتا، بلکہ آوارگی اور جرائم کا مرتکب ہوتا ہے۔

مغربی ممالک میں کم عمر مجرموں کے حالات زندگی کی تحقیق سے یہ ثابت ہوا کہ ان میں سے اکثر وہ تھے جن کے والدین نے انہیں چھوڑ دیا تھا۔ تھائی لینڈ میں 30 ہزار بے سہارا بچے گلیوں میں بھٹکتے رہتے ہیں، ان کا کوئی گھر نہیں، ان کو اداب معاشرت سکھانے والے ان کو چھوڑ گئے ہیں اور اب وہ چوروں اور منشیات فروشی کے سہارے زندہ ہیں۔ ہمارے آس پاس کے یہ مسائل اتنے گمبھیر ہیں کہ ان سے آنکھیں بند کر کے بیٹھ رہنا ممکن نہیں، بلکہ ان مسائل کے سلسلے میں خاموشی اختیار کرنے والے بھی جرائم اور گناہ کی بالواسطہ مدد کرتے ہیں۔ ہر شخص اپنے معاشی مسائل میں ایسا پھنس گیا ہے کہ وہ دوسروں کے لیے اپنا وقت قربان کرنے کو تیار نہیں۔ مغربی معاشرے نے شخصی آزادی کا ایک عجیب مفہوم عطا کیا ہے کہ ہم دوسروں کے معاملات میں دلچسپی نہ لیں، کیونکہ کسی کے ذاتی مسائل میں دخل دینا تہذیب کے خلاف ہے۔[1]

جانور اور انسان بظاہر ایک ہی دنیا میں سانس لیتے ہیں، مگر ان کے درمیان ایک بنیادی اور جوہری فرق موجود ہے۔ جانور اپنی حالت سے بے خبر، نہ بے اطمینانی کا شعور رکھتے ہیں اور نہ ہی اپنی زندگی میں کسی ارتقا کی تمنا؛ وہ جیسے ہیں، ویسے ہی رہنے پر قانع ہوتے ہیں۔ اس کے برعکس انسان وہ ہستی ہے جو اپنی موجودہ حالت پر ٹھہر نہیں سکتا۔ اس کے اندر ایک اضطراب، ایک بے چینی، ایک بے اطمینانی کارفرما رہتی ہے، اور یہی بے اطمینانی دراصل اس کی انسانیت کی علامت ہے۔ ہم عموماً بے اطمینانی کو ایک عیب سمجھتے ہیں، حالانکہ یہی وہ قوت ہے جو انسان کو سوال اٹھانے، آگے بڑھنے اور بہتر کی جستجو پر آمادہ کرتی ہے۔ اگر انسان اس اضطراب سے محروم ہو جائے تو زندگی محض ایک جامد عمل بن کر رہ جائے، جس میں نہ حسن باقی رہے اور نہ کشش۔ زندگی کی شکایتیں دراصل زندگی سے بیزاری نہیں، بلکہ اس بات کا اظہار ہیں کہ انسان اب بھی معنی، قدر اور مقصد کی تلاش میں ہے۔

تاہم المیہ یہ ہے کہ ہم شکایت تو بہت کرتے ہیں، مگر غور و فکر سے گریزاں رہتے ہیں۔ گفتگو کا محور بے اطمینانی ضرور ہوتی ہے، مگر اس کے اسباب، اس کی جڑوں اور اس کے حل پر سنجیدگی سے سوچنے کی ذمہ داری ہم قبول نہیں کرتے، کیونکہ فکر کرنا محض ذہنی مشقت نہیں بلکہ اخلاقی ذمہ داری بھی ہے، اور انسان اکثر ذمہ داری سے فرار چاہتا ہے۔ جس طرح کسی خراب گھڑی کو توڑ پھوڑ کر درست نہیں کیا جا سکتا بلکہ باریکی، مہارت اور فہم کے ساتھ اس کے نظام کو دیکھنا پڑتا ہے، اسی طرح انسانی زندگی اور اجتماعی وجود کے مسائل بھی محض غصے یا شور سے حل نہیں ہوتے۔ اصل سوال یہ ہے کہ کہیں انسانیت کی دھوری اپنی اصل جگہ سے ہٹ تو نہیں گئی؟ اور کیا یہ پھیلتی ہوئی بے اطمینانی اس بات کی علامت نہیں کہ ہم نے اپنی اخلاقی بنیادوں، فکری سمت اور انسانی اقدار سے انحراف کر لیا ہے؟ اگر ایسا ہے تو پھر اس بگاڑ کا ذمہ دار کوئی اور نہیں، بلکہ ہم خود ہیں[2]۔ ہم اور آپ، جو انسان ہونے کے تقاضوں کو سمجھتے تو ہیں، مگر انہیں اٹھانے کا حوصلہ کم ہی رکھتے ہیں۔

اسلام کا نظامِ تربیت بالکل ایک منفرد اور حد درجہ ممتاز نظامِ تربیت ہے کہ اس کے جملہ ذرائع اور تمام مقاصد ایک فکر اور ایک نظریے سے پوری طرح مربوط اور پیوست ہیں۔ یہ نظامِ تربیت اس قدر مکمل، جامع اور ہمہ گیر ہے کہ انسانی زندگی کا کوئی پہلو اور کوئی گوشہ اس کی رہنمائی اور ہدایت سے خارج نہیں۔ ظاہر ہے کہ اسلام کے نظامِ تربیت کے علاوہ تربیت کا کوئی اور نظام انسانی تاریخ میں اتنا ہمہ گیر اور جامع وجود میں نہیں آیا۔ اس وسعت اور ہمہ گیری کے باوجود اسلام کا نظامِ تربیت کسی بھی موقع پر اپنے اصل مقصد سے گریز کرتا ہوا محسوس نہیں ہوتا، کیونکہ یہ نظامِ تربیت ایسے متفرق اور مختلف ذرائع اور وسائل کا مجموعہ نہیں جن میں سے ہر ذریعہ اور ہر وسیلہ انسان کو ایک نئی سمت کی جانب لے جائے اور اس کشش میں انسان کی فطری صلاحیتیں ٹوٹ پھوٹ کر بکھر جائیں؛ بلکہ اسلام کا نظامِ تربیت انسان کے سامنے ایک صاف سیدھی شاہراہ متعین کر دیتا ہے اور ایک مقصد سامنے رکھ دیتا ہے، تاکہ انسان اپنی تمام فطری صلاحیتوں کے درمیان پورے تعاون، ہم آہنگی اور سلامتی کے ساتھ اس مستقیم شاہراہ پر گامزن ہو سکے اور مختلف جہتوں کی کشاکش اور گوناگوں مقاصد کی کھینچا تانی میں تتر بتر نہ ہو جائے۔

اسلام کے مکی دور کو لیجیے: چند کمزور و بے کس مسلمان ہیں جن کی تعداد کم ہے اور دشمن زیادہ؛ جن کے پاس نہ کوئی قوت ہے اور نہ طاقت، اور جن کا کوئی سہارا نہیں سوائے اللہ جل شانہٗ کی ذات کے۔ مگر اسی مکی دور میں، اسلام کے آغاز ہی میں قرآنِ کریم اپنی دعوت کا مخاطب ساری انسانیت کو قرار دیتا ہے اور ببانگِ دہل اعلان کرتا ہے:

إِنْ هُوَ إِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعَٰلَمِينَ۔[3]

ترجمہ : یہ تو سارے جہاں والوں کے لیے نصیحت ہے۔

یعنی پہلے ہی مرحلے میں قرآن نے یہ حقیقت جتا دی کہ قرآن کی دعوت کے مخاطب صرف قریش، اہلِ مکہ یا اہلِ عرب ہی نہیں، بلکہ اس عالمی دعوت کے مخاطب پوری دنیائے انسانیت ہے، اور اس تخاطب میں رنگ و نسل اور زبان و وطن کا کوئی فرق نہیں۔ اگر کوئی فرق ہے تو وہ صرف یہ کہ کون اس دعوت پر لبیک کہتا اور متقیوں کے زمرے میں داخل ہوتا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے:

يَٰٓأَيُّهَا ٱلنَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَٰكُم مِّن ذَكَرٍ وَأُنثَىٰ وَجَعَلْنَٰكُمْ شُعُوبًا وَقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوٓا۟ ۚ إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ ٱللَّهِ أَتْقَىٰكُمْ ۚ إِنَّ ٱللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ۔[4]

ترجمہ: تمہاری قومیں اور برادریاں بنادیں تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچانو۔ درحقیقت اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ پرہیزگار ہے۔

یہ قرآنی دعوت عام ہے۔ یہ وطن کی حدبندیوں، زبان کے دائروں، رنگوں کے تفاوت اور نسل کے امتیازات میں محدود نہیں۔ یہ دعوت انسانیت کو گروہوں اور طبقوں میں تقسیم نہیں کرتی، انہیں رنگوں اور نسلوں کے امتیازات میں نہیں بانٹتی؛ بلکہ یہ قرآنی دعوت براہِ راست نفسِ انسانی میں نفوذ کرکے انسان کے اندر پوشیدہ جوہرِ انسانیت کو ابھارتی اور بروئے کار لاتی ہے۔

اسلام انسان کو میدانِ زندگی میں حیران و پریشان نہیں چھوڑتا، بلکہ اس کے سامنے زندگی کے تمام پہلو اور نفس کے تمام گوشے اجاگر کرکے ایک مفصل منہاج واضح کردیتا ہے اور بتادیتا ہے کہ یہ منہاج کس طرح انسان کو انسان بنانے کا مقصد حاصل کرتا ہے اور کس طرح انسان کو انسانِ صالح اور متقی بنادیتا ہے۔

إِنَّ أَكۡرَمَكُمۡ عِندَ ٱللَّهِ أَتۡقَىٰكُمۡ۔ [5]

یعنی یہ انسان صالح اور متقی وہ ہے جو صرف اللہ جل شانہ کی بندگی کرتا ہے اور زندگی کے ہر معاملے میں صرف اللہ ہی سے رہنمائی حاصل کرتا ہے۔

تربیتِ نسلِ نو کے لیے شخصیت کا نمونہ سامنے لانا اور اس کی اقتدا کرنا تربیت کا ایک مؤثر ترین ذریعہ ہے۔ کوئی بھی نظام حقیقی روپ اسی وقت اختیار کرتا ہے جب وہ انسانوں کی ایک جماعت میں عملاً جلوہ گر ہو، جسے لوگ اپنی عملی زندگی میں برتتے ہوں اور جس کے تقاضوں کو عملاً پورا کرتے ہوں۔ اللہ تعالیٰ کو علم تھا کہ اس بلند ترین منہاج کے بروئے کار آنے کے لیے ایک ایسے انسان کی ضرورت ہے جو اس منہاج کو عملاً برپا کرے، اسے حقیقی روپ عطا کرسکے، اس کی زندگی نمونہ بن سکے اور اس کی شخصیت مقتدا بن سکے۔ اسی مقصد کے لیے اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو انسانیتِ کاملہ کا نمونہ اور اسوۂ حسنہ کا پیکر بناکر مبعوث فرمایا۔

لَـقَدۡ كَانَ لَـكُمۡ فِىۡ رَسُوۡلِ اللّٰهِ اُسۡوَةٌ حَسَنَةٌ۔ [6]

ترجمہ: درحقیقت تم لوگوں کے لیے اللہ کے رسول میں بہترین نمونہ ہے۔

آج سائنس کی اس حقیقت تک رسائی ہوچکی ہے کہ مادہ دراصل طاقت ہے اور طاقت اشعاع یعنی ریڈی ایشن میں بدل جاتی ہے۔ انسان بھی ایک طاقت ہے جو نور میں بدل جاتی ہے اور سراپا نور بن جاتی ہے۔ محمد بن عبداللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی سراپا نور اور نورِ مجسم تھے اور آپ کے نور سے ساری دنیا اور ساری کائنات منور رہے اور ہمیشہ منور رہے گی۔

يٰۤاَيُّهَا النَّبِىُّ اِنَّاۤ اَرۡسَلۡنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيۡرًا۔ وَدَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذۡنِهٖ وَسِرَاجًا مُّنِيۡرًا۔ [7]

ترجمہ: اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! ہم نے تمہیں بھیجا ہے گواہ بناکر، بشارت دینے والا اور ڈرانے والا بناکر، اللہ کی اجازت سے اس کی طرف دعوت دینے والا بناکر اور روشن چراغ بناکر۔

یہی نورِ تاج تھا جس سے لوگوں نے ہدایت پائی اور صحابہ کرامؓ کے سینے اس نور سے منور ہوگئے اور انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم

سے ایسی محبت کی کہ روئے زمین پر کبھی کسی انسان نے کسی دوسرے انسان سے ایسی محبت نہ کی ہوگی۔ پھر جب معرکہ حق و باطل برپا ہوا — جس کا برپا ہونا بالکل فطری تھا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس معرکے میں کامیاب و کامران ہوئے، اور آپ کا کامیاب و کامران ہونا بھی فطری تھا۔ اس فتح و نصرتِ حق کے بعد تمام تاریکیاں چھٹ گئیں اور نورِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم پورے جزیرۂ نما عرب پر سراجِ منیر بن کر روشن ہو گیا، جس سے تا قیامت انسان مستفید ہوتے رہیں گے۔

انسانیت کی تمام طویل تاریخ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس سب سے بڑا عملی نمونہ اور مثالی پیکر تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قول سے پہلے اپنے عمل سے انسانوں کو ہدایت و تربیت دی، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تربیت سے دنیا میں ایک مثالی امت برپا ہوئی جس کے بارے میں ارشادِ ربانی ہے:

كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ۔[8]

ترجمہ: اب دنیا میں وہ بہترین گروہ تم ہو جسے انسانوں کی ہدایت و اصلاح کے لیے میدان میں لایا گیا ہے۔ تم نیکی کا حکم دیتے ہو، بدی سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔

اور اللہ تعالیٰ نے اس امت پر احسان کرتے ہوئے فرمایا:

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيَاتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ ۚ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلَالٍ مُّبِيْنٍ۔[9]

ترجمہ: درحقیقت اہلِ ایمان پر تو اللہ نے یہ بہت بڑا احسان کیا ہے کہ ان کے درمیان انہی میں سے ایک پیغمبر بھیجا جو اس کی آیات انہیں سناتا ہے، ان کی زندگیوں کو سنوارتا ہے اور انہیں کتاب اور دانائی کی تعلیم دیتا ہے، حالانکہ اس سے پہلے یہ لوگ کھلی گمراہیوں میں پڑے ہوئے تھے۔

اسلام نبوت کے اس پیکرِ عمل اور مثالی نمونے کو انسانیت کے سامنے اس لیے رکھتا ہے کہ لوگ اس پر عمل کریں، اس اسوۂ حسنہ کے مطابق اپنی زندگیاں بسر کریں، اس نورِ آفتاب سے روشنی حاصل کریں اور اس کے بتائے ہوئے فرامین، احکام اور ہدایات کے مطابق اپنی زندگی کی تشکیل کریں۔ اسلام کی نظر میں نمونۂ عمل تربیت کا بہترین ذریعہ ہے۔

اسلام کا اصول ہے کہ جس قسم کے افراد تیار کرنے ہوں، ان کے سامنے ان کا مثالی نمونہ اور عملی پیکر رکھا جائے۔ اس لحاظ سے ضروری ہے کہ والدین نسلِ نو کے لیے اسلامی اصولوں اور ہدایات کا عملی نمونہ بنیں تاکہ یہ اصول بچوں کی طبیعتوں میں رچ بس جائیں۔ اسی طرح معاشرے میں بھی ایسے افراد موجود ہوں جن کا پیکر اسلام کے سانچے میں ڈھلا ہوا ہو، تاکہ وہ اگلی نسلوں کی تربیت کر سکیں۔

خاندان ہی پہلی تربیت گاہ ہے جہاں بچے جذبات، اقوال اور عمل و سلوک کی تربیت حاصل کرتے ہیں۔ اس لیے لازمی ہے کہ مسلمان کا گھریلو ماحول پاکیزہ، صاف ستھرا اور مہذب ہو تاکہ ابھرتی ہوئی نسل اسلامی اصولوں کے مطابق تربیت پائے، اسلامی اخلاق سے آراستہ ہو اور سنتِ نبوی کے مطابق زندگی گزارے۔ بعد ازاں یہی سیرت اور یہی سنت گھر سے باہر بھی معاشرے میں ہر طرف جاری و ساری ہو۔ جب

بچہ اسکول جائے تو اسے وہاں یہی تعلیم ملے۔ جب کتاب پڑھے تو اسے یہی سکھایا جائے۔ جب اخبار پڑھے تو اس میں یہی درس ملے۔ اور جب سوشل میڈیا کھولے تو یہی آواز اس کے کان میں پڑے تاکہ اسے اسلام کے عملی نمونے ہر طرف چلتے پھرتے نظر آئیں اور وہ اسلام کو عملی صورت میں جلوہ گر دیکھ سکے۔

پر تاثیر نصیحت وجدان کے راستے نفسِ انسانی پر براہِ راست اثر انداز ہوتی ہے، لیکن اگر تربیت کا مثالی نمونہ موجود نہ ہو اور مطلوبہ ماحول میسر نہ ہو تو نصیحت بے اثر ہو جاتی ہے۔ اس لیے کہ محسوس مثالی نمونہ احساسات پر اثر انداز ہوتا ہے اور اس نمونے کی موجودگی میں نصیحت مؤثر ثابت ہوتی ہے اور تربیتِ نفس میں اہم کردار ادا کرتی ہے۔ بہر حال تربیت کے لیے نصیحت ایک لازمی اور ضروری عمل ہے، کیونکہ نفس میں ایسے فطری میلانات موجود ہوتے ہیں جنہیں مسلسل تہذیب اور رہنمائی کی ضرورت ہوتی ہے اور اس کے لیے نصیحت ناگزیر ہے۔

مغربی لٹریچر بڑا بدترین لٹریچر ثابت ہوا ہے۔ اس کی تاثیر یہ ہے کہ لوگوں کو خدا کی نافرمانی پر اکساتا ہے اور خواہشات کی بے قید تکمیل کی راہ پر لگاتا ہے اور بتاتا ہے کہ تکمیلِ ذات کا یہی طریقہ ہے۔ یہ ایک فرسودہ، مردہ اور انحراف پر مبنی نقطۂ نظر ہے۔ نسلِ نو یہ سمجھتی ہے کہ وہ بڑوں کا کہنا نہ مان کر اپنے وجود کا اثبات کرتی ہے اور بڑوں کے احکام کی اطاعت کر کے اپنے وجود کو مٹاتی ہے، لیکن بڑے ہونے کے بعد اور زندگی کی حقیقتوں سے آشنا ہونے کے بعد اسے معلوم ہو جاتا ہے کہ اثباتِ ذات کے دو طریقے ہیں: ایک نافرمانی، گمراہی اور ذلّت کا طریقہ؛ اور دوسرا اطاعت، ہدایت اور خیر کا طریقہ۔ انسان کا منحرف ہو کر اور حق سے بیگانہ ہو کر اثباتِ ذات کرنا دراصل بیماری کی حالت ہے۔ جبکہ صحت مند اور مستقیم انسان اپنی خواہشات پر ضبط قائم کر کے اور ہدایت و خیر اختیار کر کے ہی اپنی ذات کا صحیح اثبات کرتا ہے۔ ایک اور بات قابلِ غور ہے کہ قرآنِ کریم میں جہاں برے کاموں کا ذکر آیا ہے تو اس کا اندازِ بیان یہ نہیں کہ ان سے لذت حاصل کی جائے۔ در حقیقت یہ برائیاں انسان کی پوری زندگی نہیں بلکہ ایک لمحۂ زندگی ہیں۔ یہ آتی ہیں اور گزر جاتی ہیں تاکہ ان کی جگہ اعلیٰ مقاصدِ حیات لے لیں اور انسان کے ذہن میں ایمانی تصورات جاگزین ہوں۔ اسلام چاہتا ہے کہ انسان عملی زندگی کی جدوجہد کے لیے آزاد ہو اور ایسا پاکیزہ معاشرہ قائم کرے جس میں ابھرتی ہوئی نسلوں کی تربیت ہو، حق و عدل ہو، لوگ اپنے حقوق پائیں اور فتنہ و انحراف کے بغیر عمدگی کے ساتھ زندگی گزاریں۔ یہی وہ عظیم مقاصد ہیں جن کے حصول میں انسان کو اپنی صلاحیتیں صرف کرنی چاہییں۔

عادت انسانی زندگی میں ایک بڑا اہم کارنامہ سر انجام دیتی ہے کیونکہ اس کی وجہ سے انسان کی بے حد جدوجہد میں کمی واقع ہو جاتی ہے اور عادت سے مشکل امور آسان ہو جاتے ہیں۔ انسان از سرِ نو عمل، پیداوار اور تخلیق کے نئے آفاق کی جانب متوجہ ہو جاتا ہے۔ اگر انسانی فطرت میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے یہ عادت ہو جانے کا وصف پیدا نہ کیا ہوتا تو انسان اپنی زندگی چلنا سیکھنے، بات کرنا سیکھنے اور معمولی حساب سیکھنے میں گزار دیتا۔ لیکن جہاں عادت کا اس قدر عظیم فائدہ ہے وہاں یہ عادت بسا اوقات ایک رکاوٹ بھی بن جاتی ہے، یعنی جب انسانی اعمال کا شعور ختم ہو جائے اور بغیر کسی قلبی تاثر کے وہ ایک مشینی انداز میں انجام دیے جانے لگیں۔ اسلام عادت کو تربیت کے ایک ذریعے کے طور پر کام میں لاتا ہے اور خیر کے کاموں کو انسان کی عادت بنا دیتا ہے تاکہ ان کی انجام دہی میں نفس کو صعوبت، مشقت اور تکلیف نہ ہو۔ لیکن اس کے ساتھ ہی اسلام اس امر کا سدِباب بھی کرتا ہے کہ عادت محض مشینی اور غیر شعوری حرکت بن کر نہ رہ جائے۔ اس لیے اسلام پیہم اس مقصد کی یاد دہانی

کراتا رہتا ہے جس کے حصول کے لیے وہ عمل مقرر کیا گیا ہے، اور انسانی قلب اور اللہ جل شانہٗ میں ایسا تعلق قائم کر دیتا ہے جس کی روشنی سے دل منور ہو جاتا ہے اور اس پر زنگ نہیں چڑھ پاتا۔

نسل نو کے جسمانی، فکری و نظریاتی تربیت کے سلسلے میں انہیں مثبت امور میں مشغول رکھنا انتہائی اہم ضرورت ہے۔ اسلام عدمِ مشغولیت اور بیکاری کو ناپسند کرتا ہے، اس لیے کہ بیکاری سے نفس کی جمع شدہ قوتوں میں فساد پیدا ہو جاتا ہے۔ سب سے بڑا فساد یہ ہوتا ہے کہ اس فرصت کو مشغولیت میں بدلنے کے لیے انسان اپنی جسمانی قوتوں کو تباہ کرنا شروع کر دیتا ہے اور بیکاری کے مشاغل کے طور پر ضرر رساں عادتیں اپنا لیتا ہے۔ اسلام میں بیکار بیٹھنا، وقت گنوانا، فضول مشاغل اور لغویات میں مبتلا ہونا سخت ناپسندیدہ ہے۔ وقت کو دین و دنیا کے فائدہ مند کاموں میں لگانا مؤمن کی علامت ہے۔ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ:

نِعْمَتَانِ مَغْبُونٌ فِيهِمَا كَثِيرٌ مِنَ النَّاسِ: الصِّحَّةُ وَالْفَرَاغُ۔[10]

ترجمہ: دو نعمتیں ایسی ہیں جن میں بہت سے لوگ خسارے میں رہتے ہیں: صحت اور فراغت۔

یعنی بیکار اور غفلت میں وقت ضائع کر دیتے ہیں۔ سیدنا عمر بن خطابؓ فرماتے ہیں کہ:

إني لأكره أن أرى أحدكم فارغًا، لا في أمرِ دينٍ ولا دنيا۔[11]

ترجمہ: مجھے یہ بات سخت ناپسند ہے کہ تم میں سے کسی کو فارغ دیکھوں، نہ دین کا کام کر رہا ہو نہ دنیا کا۔

حضرت ابن مسعودؓ کا قول ہے کہ:

ما ندمت على شيء ندمي على يومٍ غربت شمسه نقص فيه أجلي ولم يزدد فيه عملي۔[12]

ترجمہ: مجھے کسی چیز کا اتنا افسوس نہیں ہوتا جتنا اس دن کا کہ اس کی دھوپ ڈھل گئی، میری عمر کم ہو گئی مگر عمل میں اضافہ نہ ہوا۔

بہر حال اسلام چاہتا ہے کہ انسان بیداری کے اولین لمحے سے لے کر رات کو سونے تک مصروف رہے، اور اس کو ایسی کوئی فرصت نہ ہو جس کے خلا کو پُر کرنے کے لیے وہ اپنی جسمانی قوتوں کو ضائع کرے اور جسم کو اصل منہج سے منحرف کر دے۔ مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ انسانی وجود ضائع اور ہلاک ہو جائے، اس لیے کہ ایسا ہونا اسلام کے مقاصد کے خلاف ہے۔ اسلام تو انسان کو طیباتِ ارض سے مستفید ہونے کی دعوت دیتا ہے اور دنیاوی زندگی میں اس کا حصہ یاد دلاتا ہے۔

اسلام یہ نہیں چاہتا کہ انسان مسلسل جدوجہد اور کدوکاوش ہی میں لگا رہے، بلکہ مقصد یہ ہے کہ انسانی زندگی میں بیکاری باقی نہ رہے اور ایسی فرصت باقی نہ رہے جسے وہ شر، فساد اور غلط کاموں میں صرف کرے۔ اسلام نے جدوجہدِ حیات کے ساتھ ساتھ لمحاتِ عبادت، آرام و خواب کی گھڑیاں، اہلِ خانہ سے ہلکی پھلکی گفتگو، میل ملاقات اور ہلکے پھلکے مزاح کی بھی گنجائش رکھی ہے۔

نسل نو کی تربیت کے ضمن میں اسلام یہ طریقہ اختیار کرتا ہے کہ نفسِ انسانی میں جمع شدہ قوتوں کو بروئے کار لاتا ہے اور ان سے کام لیتا ہے، تاکہ یہ قوتیں نفس میں جمع نہ ہوتی رہیں۔ اس لیے کہ نفسِ انسانی اور جسمِ انسانی میں قوتوں کا ذخیرہ ہوتا رہتا ہے، اور ان قوتوں کو مفید اور

تعمیری کاموں میں بھی استعمال کیا جاسکتا ہے اور غیر مفید اور تخریبی سرگرمیوں میں بھی کھپایا جاسکتا ہے۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ قوتیں کہیں بھی استعمال نہ ہوں اور زنگ خوردہ ہو کر رائیگاں ہو جائیں۔ اسلام ان قوتوں کو تعمیری امور اور مفید کاموں کی جانب متوجہ کر کے انہیں صحیح تعمیری رخ پر لگا دیتا ہے، اور ان قوتوں کو برائی کی قوتوں کے خلاف ایک دیوار بنا دیتا ہے۔

بلاشبہ ہر شخص کے لیے سزا ضروری نہیں ہوتی، اور بہت سے لوگ مثالی نمونے اور عملی پیکر کی پیروی کر کے اور وعظ و نصیحت پر عمل کر کے اپنے آپ کو تربیت کے تقاضوں کے مطابق ڈھال لیتے ہیں۔ انہیں زندگی بھر سزا کی ضرورت نہیں پڑتی۔ لیکن اس میں بھی شک نہیں کہ تمام انسان یکساں نہیں ہوتے؛ بعض کو بار بار سختی کی ضرورت پیش آتی ہے۔ تاہم تربیت کرنے والا آغاز ہی سے سزا سے کام نہیں لیتا، بلکہ پہلے وہ عملی نمونے سے اصلاح کی کوشش کرتا ہے، پھر وعظ و نصیحت سے اصلاح کی جدوجہد کرتا ہے، بعد ازاں عملِ خیر کی دعوت دیتا ہے، اور بگاڑ و فساد پر صبر کر کے ایک مناسب وقت تک اس کو برداشت کرتا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَآ اِلَى اللّٰهِ وَعَمِلَ صَالِحًا وَّقَالَ اِنَّنِيْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ۔ وَلَا تَسْتَوِي الْحَسَنَةُ وَلَا السَّيِّئَةُ ۚ اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِيْ بَيْنَكَ وَبَيْنَه عَدَاوَةٌ كَاَنَّه وَلِيٌّ حَمِيْمٌ۔ [13]

ترجمہ: اور اس شخص کی بات سے اچھی بات کس کی ہو گی جس نے اللہ کی طرف بلایا، نیک عمل کیا اور کہا کہ میں مسلمان ہوں۔ نیکی اور بدی یکساں نہیں ہیں۔ تم بدی کو اس نیکی سے دفع کرو جو بہترین ہو۔ تم دیکھو گے کہ تمہارے ساتھ جس کی عداوت تھی وہ جگری دوست بن جائے گا۔

ایک اور جگہ ارشاد ہے:

اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ۔ [14]

ترجمہ: اے نبی! اپنے رب کے راستے کی طرف حکمت اور عمدہ نصیحت کے ساتھ دعوت دو۔

ایک اور مقام پر فرمایا:

وَاصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ وَاهْجُرْهُمْ هَجْرًا جَمِيْلًا۔ [15]

ترجمہ: اور جو باتیں لوگ بنا رہے ہیں ان پر صبر کرو اور انہیں عمدگی سے چھوڑ دو۔

مگر کچھ افراد ایسے بھی ہوتے ہیں جن کی ان ذرائع سے اصلاح نہیں ہوتی، بلکہ جتنا انہیں نصیحت کی جائے اتنا ہی ان کا انحراف بڑھتا جاتا ہے۔ ظاہر ہے کہ ایسے لوگوں کو نظر انداز کرنا، یا ضرورت سے زیادہ نرم رویہ اختیار کرنا، خلافِ حکمت ہے۔ یہ لوگ نفسیاتی طور پر مریض ہوتے ہیں اور ان کا علاج ضروری ہوتا ہے؛ لیکن ایسا نہ ہو کہ ان کے انحراف کے ساتھ تربیتِ نفس کے اسالیب بھی ترک کر دیے جائیں۔

نسلِ نو کو اگر مستقل مزاجی، برابری اور پاکیزگی کے ساتھ نرم و لطیف اور محبت آمیز تربیت دی جائے تو اکثر وہ کامیاب ثابت ہوتی ہے، مگر حد سے زیادہ نرمی اور ضرورت سے زیادہ محبت انہیں بگاڑ بھی دیتی ہے اور ان کے نفسیاتی وجود میں بے حکمی اور عدمِ استواری پیدا کر دیتی ہے۔ اسلام نے تربیت کے تمام ذرائع اور وسائل اختیار کیے ہیں۔ جس طرح مثالی نمونہ، وعظ و نصیحت اور ترغیب و ثواب کا بیان موجود ہے، اسی

طرح تخویف وترہیب کے وسائل بھی اختیار کیے گئے ہیں۔ کہیں اللہ کی ناراضی سے ڈرایا گیا ہے، جو اگرچہ ہلکی سی تنبیہ ہے، مگر مؤمنین کے لیے بہت مؤثر ہے۔ ارشاد ہے:

اَلَمْ يَأْنِ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ لِذِكْرِ اللّٰهِ وَمَا نَزَلَ مِنَ الْحَقِّ ۙ وَلَا يَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلُ فَطَالَ عَلَيْهِمُ الْاَمَدُ فَقَسَتْ قُلُوْبُهُمْ ۭ وَكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ۔[16]

ترجمہ: کیا ایمان والوں کے لیے ابھی وہ وقت نہیں آیا کہ ان کے دل اللہ کے ذکر سے پگھلیں اور اس کے نازل کردہ حق کے آگے جھکیں،، اور ان لوگوں کی طرح نہ ہو جائیں جنہیں ان سے پہلے کتاب (آسمانی) ملی تھی پھر ان پر مدت لمبی ہو گئی تو ان کے دل سخت ہو گئے، اور ان میں سے بہت سے نافرمان ہیں۔

لوگوں کی طبیعتوں اور مزاج کے مطابق سرزنش کے یہ مختلف مراحل بیان ہوئے ہیں۔ بعض لوگ اشارہ سمجھ کر ہی باز آجاتے ہیں، بعض کو کھلی سرزنش کی ضرورت ہوتی ہے، بعض کو مستقبل کی سزا یاد دلانا کافی ہوتا ہے، اور بعض اس وقت رک جاتے ہیں جب انہیں دنیاوی سزا کا مزہ چکھنا پڑے۔ اس کے علاوہ تادیب نسل نو کے لئے حد اعتدال میں ضرب خفیف کی بھی گنجائش ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ:

مُروا أولادَكم بالصلاةِ وهم أبناءُ سبعٍ، واضرِبوهم عليها وهم أبناءُ عشرٍ۔[17]

ترجمہ: سات سال کی عمر میں بچوں کو نماز کا حکم دو، اور جب وہ دس سال کے ہو جائیں اور نماز نہ پڑھیں تو تادیبی طور پر ہلکی مار دیا کرو۔

فقہاء واضح کرتے ہیں کہ یہ **ضربِ خفیف** ہے: جس سے زخم، نشان یا تکلیفِ شدید نہ ہو اور مقصد تربیت ہو، نہ کہ غصہ یا بدلہ لینا وغیرہ۔ نسل نو کے تربیت کے سلسلے میں اصل اصول یہ ہے کہ نرم گفتگو اور محبت سے تربیت کی جائے۔ اور اگر بے راہ روی کی صورت میں ضرورت پڑے تو قوت ضرب کا استعمال صرف آخری درجے میں کیا جائے، وہ بھی حدِ اعتدال سے کم ہو۔ اگرچہ شریعت نے تعلیم وتربیت کے لیے ہلکی اور غیر مؤذی تنبیہ کی اجازت دی ہے، لیکن پھر بھی کسی قسم کی ظالمانہ، اشتعال انگیز یا جسمانی نقصان والی مار، ناجائز و ممنوع ہے۔

لہٰذا موجودہ دور میں بھی نسلِ نو کے لیے اسی طرز کی ضرورت ہے کہ پہلے انہیں نصیحت کے ذریعے روکا جائے، پھر آخرت کی سزا سے ڈرایا جائے، پھر دنیاوی سزا کا تصور دکھایا جائے، اور اگر اس سے بھی باز نہ آئیں تو نبوی تربیت کے مطابق ہلکی پھلکی سزا دی جائے تاکہ وہ ناپسندیدہ اور ناروا عمل سے باز آسکیں۔

خلاصہ یہ کہ نسلِ نو کسی بھی معاشرے کا قیمتی سرمایہ ہوتی ہے، اور اس کی صحیح تربیت ہی ایک مضبوط اور صالح معاشرے کی بنیاد رکھتی ہے۔ موجودہ دور میں نوجوان مختلف فکری، اخلاقی اور سماجی چیلنجز کا سامنا کر رہے ہیں، جن سے نمٹنے کے لیے سیرتِ نبوی ﷺ ایک جامع اور مکمل رہنمائی فراہم کرتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات نہ صرف روحانی اصلاح بلکہ عملی زندگی کی تشکیل میں بھی بنیادی کردار ادا کرتی

ہیں۔ سیرتِ نبوی ﷺ میں نوجوانوں کی تربیت کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ آپ ﷺ نے کم عمر صحابہ کو اعتماد دیا اور ان کی صلاحیتوں کو نکھارا۔ حضرت عبد اللہ بن عباسؓ کے بارے میں آپ ﷺ نے دعا فرمائی: اللَّهُمَّ فَقِّهْهُ فِي الدِّينِ۔[18] یعنی اے اللہ! اسے دین کی سمجھ عطا فرما۔

نسلِ نو کے تحفظ کا بنیادی ستون عقیدہ کی درستگی ہے۔ قرآن مجید میں حضرت لقمان علیہ السلام اپنے بیٹے کو نصیحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

يَا بُنَيَّ لَا تُشْرِكْ بِاللَّهِ ۖ إِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيمٌ۔[19]

ترجمہ: اے میرے بیٹے! اللہ کے ساتھ شرک نہ کرنا، بے شک شرک بہت بڑا ظلم ہے۔

اخلاقی تربیت سیرتِ نبوی ﷺ کا مرکزی پہلو ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

إِنَّمَا بُعِثْتُ لِأُتَمِّمَ مَكَارِمَ الْأَخْلَاقِ۔[20]

ترجمہ: مجھے بہترین اخلاق کی تکمیل کے لیے بھیجا گیا ہے۔

نبی کریم ﷺ نے نوجوانوں کو عملی ذمہ داریاں دے کر ان میں قیادت پیدا کی۔ حضرت اسامہ بن زیدؓ کو کم عمری میں لشکر کا سپہ سالار مقرر کرنا اس کی نمایاں مثال ہے۔

أَمَّرَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ أُسَامَةَ بْنَ زَيْدٍ عَلَى جَيْشٍ۔[21]

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے اسامہ بن زید کو ایک لشکر کا امیر مقرر فرمایا۔

بری صحبت سے بچاؤ نسلِ نو کے تحفظ کے لیے ضروری ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

الرَّجُلُ عَلَى دِينِ خَلِيلِهِ۔[22]

ترجمہ: آدمی اپنے دوست کے دین پر ہوتا ہے۔

خاندانی تربیت نوجوانوں کی اصلاح میں بنیادی کردار ادا کرتی ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

كُلُّكُمْ رَاعٍ وَكُلُّكُمْ مَسْؤُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ۔[23]

ترجمہ: تم میں سے ہر ایک نگہبان ہے اور ہر ایک سے اس کی رعیت کے بارے میں پوچھا جائے گا۔

سیرتِ نبوی ﷺ میں اعتدال اور توازن کی تعلیم دی گئی ہے۔ نبی کریم ﷺ نے دین میں غلو سے منع فرمایا:

إِيَّاكُمْ وَالْغُلُوَّ فِي الدِّينِ۔[24]

ترجمہ: دین میں غلو سے بچو۔

دعوت و تبلیغ میں نوجوانوں کا کردار نمایاں رہا ہے۔ حضرت مصعب بن عمیرؓ کو مدینہ بھیجا گیا تاکہ وہ اسلام کی تعلیم دیں۔

بَعَثَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ مُصْعَبَ بْنَ عُمَيْرٍ إِلَى الْمَدِينَةِ۔[25]

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے مصعب بن عمیر کو مدینہ بھیجا۔

خلاصہ یہ ہے کہ سیرتِ النبی ﷺ نسلِ نو کے تحفظ کے لیے مکمل رہنمائی فراہم کرتی ہے۔ اگر ہم عقیدہ، اخلاق، تعلیم، ماحول اور خاندانی تربیت کے اصولوں کو سیرتِ طیبہ کی روشنی میں اپنائیں، تو ہم ایک صالح اور مضبوط نسل تیار کر سکتے ہیں۔ موجودہ دور کے فتنوں کا مقابلہ اسی صورت ممکن ہے جب نوجوانوں کو سیرتِ نبوی ﷺ کے مطابق تربیت دی جائے۔

حوالہ جات

[1] سیدہ سعدیہ غزنوی، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بطور ماہر نفسیات، الفیصل ناشران و تاجران کتب، لاہور، 1994ء، ص9

[2] مولانا سید ابو الحسن علی ندوی، تعمیر انسانیت، مجلس نشریات اسلام، کراچی، ص53

[3] القرآن الکریم ،سورۃ التکویر 81: 27

[4] القرآن الکریم ،سورۃ الحجرات 49: 13

[5] القرآن الکریم ،سورۃ الحجرات 49: 13

[6] القرآن الکریم ،سورۃ الاحزاب 33: 21

[7] القرآن الکریم ،سورۃ الاحزاب 33: 45۔46

[8] القرآن الکریم ،سورۃ آل عمران 3: 110

[9] القرآن الکریم ،سورۃ آل عمران 3: 164

[10] ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل البخاری، صحیح بخاری، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ، 2008ء، رقم الحدیث 6412

[11] علاء الدین علي المتقي بن حسام الدین الهندي، کنز العمال فی سنن الاقوال والافعال، مکتبة العلم ، بیروت، رقم الحدیث 43102

[12] ابی نعیم محمد بن عبداللہ الاصفهانی، حلیة الاولیاء وطبقات الاصفیاء ،دار الفکر ، بیروت، ج1، ص136

[13] القرآن الکریم ،سورۃ فصلت 41: 33۔ 34

[14] القرآن الکریم ،سورۃ النحل 16: 125

[15] القرآن الکریم ،سورۃ المزمل 73: 10

[16] القرآن الکریم ،سورۃ الحدید 57: 16

[17] ابو عیسی محمد بن عیسی الترمذی، سنن ترمذی، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ، 2005ء، رقم الحدیث 407

[18] صحیح بخاری، کتاب العلم ، رقم الحدیث 143

[19] القرآن الکریم ،سورۃ لقمان: 13

[20] مالک بن انس، موطأ امام مالک، کتاب حسن الخلق، دار احیاء التراث العربی ، رقم الحدیث 1614

[21] صحیح بخاری، کتاب المغازی، ، رقم الحدیث 4469

[22] سنن ابی داؤد، کتاب الأدب، ، رقم الحدیث 8334

[23] صحیح بخاری، کتاب الأحکام، ، رقم الحدیث 7138

[24] احمد بن شعیب، سنن نسائی، کتاب المناسک، ، رقم الحدیث 3057

[25] ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج3، ص: 116، دار صادر